کی تاریخ میں بھی جو کسی دین سماوی پر یقین رکھتی ہیں اور کسی نبی اور رسول کی ہدایات و تعلیمات سے اپنے آپ کو وابستہ سمجھتی ہیں اور ان اقوام میں بھی جو کسی صحیح معقول دین و مذہب اور شریعت سے نا آشنا ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کواکب پرست، بت پرست، اور مشرک تھی۔ اس قوم میں کچھ دن ایسے مقرر تھے جن میں وہ لوگ اپنی بستیوں سے باہر جا کر اجتماعی طور پر خوشیاں مناتے اور میلے لگاتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی تبلیغ فرمائی طرح طرح سے ان کو بت پرست کی نامعقولیت اور خدا پرستی کی معقولیت سمجھائی لیکن شرک و بت پرستی کی خوگر قوم نے جو خود ساختہ بتوں کو ہی کارساز سمجھتی تھی اس نے توحید پر یقین کرنے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عملی اور مشاہداتی طور پر بتوں کی بے کسی و بے بسی قوم کے ذہن نشین کرانے کی دل میں ٹھانی اور دل ہی دل میں عہد کیا کہ۔

ترجمہ:۔ خدا کی قسم میں تمہارے بتوں کے ساتھ ضرور ضرور ایک تدبیر کروں گا اس کے بعد کہ تم لوگ پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔

مسرتوں کا اظہار

چنانچہ اپنی عید کے مقرر دن میں جب وہ سب لوگ حسب عادت بستی سے باہر خوشیاں منانے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بت خانہ میں جا کر سارے بتوں کو توڑ پھوڑ کر ٹھکانہ لگا دیا اور ان میں سے سب سے بڑے بت کے کندھوں پر کدال لٹکا دیا قوم نے واپس آ کر بتوں کا یہ حال دیکھا تو حضرت ابراہیم نے انتہائی حکیمانہ انداز سے بتوں کی بے بسی ان پر واضح کر دی غرض قوم ابراہیمؑ کا وہ عید کا ہی دن تھا جس روز یہ واقعہ پیش آیا اور اس طرح وہی دن جو اس مشرک اور بت پرست قوم کے لئے کسی اعتبار سے اہمیت کا حامل اور مشرکانہ طور پر عید کی خوشیاں اور رنگ رلیاں منانے کا دن تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ میں تبلیغ توحید کا ایک اہم دن قرار پایا۔

بنی اسرائیل اپنی بداعمالیوں کی سزا میں قوم فرعون کے غلام بن کر ذلت و پستی کی زندگی گزار رہے تھے یہودی ایک مقرر دن میں بستیوں سے باہر کسی میدان میں جمع ہو کر عید منایا

کرتے تھے اور فرعون کی قوم قبطیوں کی طرف سے ان کو اس کی اجازت تھی۔ حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر ایک مرتبہ پھر رحم فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اس قوم کو بدترین قسم کی غلامی سے نجات عطا فرمائی۔ یہودیوں نے اس یوم نجات کو بھی قومی اور اجتماعی طور پر خوشیاں منانے اور مسرتوں کے اظہار کے لئے مقرر کرلیا اور ہر سال اس تاریخ کو وہ عید منانے لگے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت کو یوم عید قرار دیا اور تقریباً دو ہزار سال سے وہ اس دن میں اپنی مسرتوں اور خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں مجوسی اپنے پیشوا زرتشت کے یوم ولادت میں اظہار مسرت کے لئے کھیل تماشے کرتے تھے اسی طرح ایرانی قوم میں نوروز اور مہر جان وغیرہ بعض ایام، ایام عید تھے برصغیر کی بسنے والی مشرک اور ہندو قوم کے یہاں بھی ہولی اور دیوالی سال کے دو دن خصوصیت سے تہوار اور عید کی حیثیت رکھتے ہیں اہل مکہ یوں تو پہلے سے بھی سال بھر کے متعدد ایام میں خوشیاں مناتے میلے لگاتے، شراب خوری اور رقص و سرور کی محفلیں منعقد کرتے تھے مگر بعثت اور اسلام کی آمد سے چالیس سال قبل یمن کے عیسائی حکمران ابرہہ نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے لشکر کشی کی اور عبرتناک طور پر ناکام و نامراد ہو کر تباہ و برباد ہوا۔ اہل مکہ نے اپنے اور بیت اللہ کے محفوظ رہنے کے اس دن کو خاص اہمیت دی اور اسی خوشی کی یادگار کے طور پر اس دن سے سن کا آغاز کیا اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کی مدت اور تاریخ کا تعین اسی عام الفیل سے کیا جانے لگا۔

جذبات کے پیش نظر

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں کے لوگوں میں سال کے دو دن ایسے مقرر تھے کہ ان میں یہ لوگ خوشیاں مناتے اور کھیلتے کودتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کا یہ طریقہ دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ دو دن کیسے ہیں۔

انصار صحابہ نے عرض کیا کہ زمانہ جاہلیت میں ہم ان دو دنوں میں کھیلا کودا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمہیں ان دو دنوں کے بدلہ میں ان

سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں یوم اضحیٰ اور یوم فطر غرضیکہ ہزار ہا سال کی تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملت میں پورے سال کے ایام میں سے ایسے کچھ دن ضرور مقرر رہے ہیں جن کو کسی نہ کسی طرح کی اہمیت اور خصوصیت حاصل تھی اور جن میں اجتماعی طور پر خوشیوں اور مسرتوں کا مظاہرہ کیا جاتا رہا ہے اور ان ایام میں پیش آنے والے واقعات کی یاد اس طرح تازہ رکھی گئی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ اقوام کے اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا" یا ابا بکر ان لکل قوم عید او ھذا عیدنا"

اے ابو بکرؓ بلاشبہ ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ گویا مذہب اسلام نے آ کر انسان کے اس فطری جذبہ کو پامال نہیں کیا بلکہ نہایت لطیف انداز میں ان فطری جذبات کا رخ ایسی سمت کو موڑ دیا جس سے اس کے خوشی منانے اور مسرت کے اظہار کی خواہش کی تکمیل بھی ہو جائے ساتھ ہی ساتھ مسرتوں کے اظہار میں غیر مفید اور غیر سنجیدہ افعال وحرکات کے ارتکاب کی بجائے اس کو تخلیق انسانی کے مقصد کا شعور اور اس کی بیداری بھی نصیب ہو اور اس کے تحت الشعور جذبات کے پیش نظر ان مسرتوں کی وابستگی بھی حق تعالیٰ کی عظیم نعمتوں سے رہے جن کی یاد ہر سال اس کے قلب وذہن میں تازہ ہوتی رہے۔

اللہ کی حمد وثنا

دین اسلام کی دو عیدوں اور دو تہواروں میں سے ایک کا لقب عید الفطر ہے اور دوسری کا نام عید الاضحیٰ۔ عید الاضحیٰ حق تعالیٰ کے حضور ایک عظیم انسان کی عظیم قربانی پیش کرنے کی یادگار اور عید الفطر ایک طرف انسان پر حق تعالیٰ کے عظیم ترین انعام نزول قرآن کی سالگرہ اور یادگار ہے اور دوسری طرف مسلسل ایک ماہ تک ایک دشوار اور پر مشقت عبادت ادا کرنے کی توفیق پر قلبی مسرتوں کا اظہار اور شکر گزاری ہے گویا عید الاضحیٰ میں انبیاء سابقین میں سے ابو الانبیاء اور حق تعالیٰ کے ایک جلیل القدر اولوالعزم پیغمبر سے اپنی وابستگی اور ان پر ایمان کا اعلان ہے اور اس وابستگی پر خوشیوں کا مظاہرہ ہے جو اسلام کی تعلیم کردہ عبادت اور تکبیرات کا مظاہرہ ہے جو اسلام کی تعلیم کردہ عبادت اور تکبیرات کی شکل میں کیا جاتا ہے اور عید الفطر میں حق تعالیٰ کے اس

خصوصی انعام کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جو ابتدائے آفرینش سے لے کر دنیا کی تمام قوموں اور امتوں میں سے صرف امت محمدیہ علی صاحبہا السلام پر کیا گیا ہے اور رمضان المبارک کی طویل المدت عبادت صوم اور قیام لیل کے ادا کرنے کی توفیق پر منت پذیری اور جذبات تشکر کا اظہار ہے اور یہ دونوں وہ خصوصی نعمتیں ہیں جن کا تعلق خود مذہب اسلام اور دین محمدی سے ہے۔ چنانچہ سال بھر کے شب وروز میں جہاں اور چند راتوں اور دنوں کو شعائر اسلام ہونے کی حیثیت حاصل ہے ان کے ساتھ ہی ساتھ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن اور ان دونوں دنوں کی راتیں ان شعائر اسلام سے ہیں جن کے اوقات اور ساعتوں کو حق تعالیٰ کی نظر میں عظمت اور مقبولیت حاصل ہے اور جیسا کہ مذہب اسلام کا ایک مخصوص انداز ہے کہ اس قسم کے خاص اوقات اور بابرکت شب وروز میں وہ عبادت کے ذریعہ حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی تلقین کیا کرتا ہے اسی طرح اس نے عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دنوں اور ان کی راتوں کی برکتیں بتا کر ان میں عبادت کی ترغیب دی ہے چنانچہ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ترجمہ:۔ جو شخص عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی راتوں میں عبادت کرے گا اس کا قلب ان دن مرے گا نہیں جس دن سارے قلوب مر جائیں گے۔

ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سال بھر کی پانچ راتوں کی اہمیت اور خصوصیت اس طرح بیان فرمائی ہے۔

ترجمہ:۔ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کی رات عرفہ یعنی نویں تاریخ کی رات یوم نحر یعنی عیدالاضحیٰ کی رات عیدالفطر کی رات اور نصف شعبان کی رات یعنی شب برات۔

عیدالفطر اور عیدالضحیٰ دونوں عیدوں کے دنوں میں مستقل طور پر دو دو رکعتیں ادا کرنا واجب قرار دیا گیا اور ان دوسری نمازوں سے زائد کچھ تکبیریں مقرر کی گئیں اور خارج از نماز بھی اللہ کی وحدانیت اس کی حمد وثناء اور کبریائی بیان کرنے کی خاص طریقے سے ترغیب دی گئی ہے۔

انعام کی رات

حافظ عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف ''الترغیب والترہیب'' میں ماہ

رمضان المبارک کے شب وروز شب عیداور روز عید سے متعلق ابن حبان اور بیہقی کے حوالہ سے ایک طویل حدیث حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے جس کے آخری حصہ کا مفہوم یہ ہے کہ۔

''جب عیدالفطر کی رات آتی ہے تو اس کا نام لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) رکھا جاتا ہے پھر جب عید کی صبح ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ تمام شہروں میں فرشتوں کو بھیجتے ہیں فرشتے زمین پر اتر کر راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور امت محمدیہ کو پکار پکار کر بلاتے ہیں ان کی آواز انسانوں اور جنوں کے علاوہ ہر مخلوق سنتی ہے فرشتے کہتے ہیں اے امت محمد! رب کریم کی جانب نکلو وہ تم کو بڑا اجر دے گا اور بڑے قصور معاف فرمائے گا جب لوگ عیدگاہ میں آجاتے ہیں تو حق تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ ایک اجیر جب اپنا کام کر چکے تو اس کا بدلہ کیا ہے فرشتے عرض کرتے ہیں اے ہمارے مالک ومعبود! اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کو پورا پورا اجر آپ اس کو عطا فرماویں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! میں تم کو گواہ بناتا ہوں میں نے ماہ رمضان میں ان کے صیام وقیام کا اجر وثواب اپنی رضا ومغفرت کو قرار دیدیا...... اور جب لوگ نماز عید سے فارغ ہو کر واپس ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب واپس چلے جاؤ تمہاری بخشش کر دی گئی تم نے مجھ کو راضی کیا میں تم سے خوش ہو گیا۔ فرشتے اس وقت بہت خوش ہوتے ہیں جب ماہ رمضان سے افطار کے وقت یعنی عید کے دن اس امت کو حق تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں۔''

شریعت اسلامیہ نے فرزندان توحید کے لئے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی مسرتوں اور شادمانیوں کے اظہار کا پسندیدہ طریقہ یہ قرار دیا ہے کہ عید کے روز مسواک وضو اور غسل کر کے صاف ستھرا اور اچھا لباس جو میسر ہو وہ پہنا جائے ممکن ہو تو خوشبو لگائیں تاکہ اس طرح حق تعالیٰ کے انعامات کا اظہار اور شکر یہ بھی ادا ہو اور ایک سے دوسرے کو کوئی تکلیف نہ ہو اسی طرح شان وشوکت کے مظاہرہ کے لئے سنت یہ ہے کہ دوگانہ عید ادا کرنے کو ایک راستہ سے جائیں اور دوسرے راستہ سے واپس ہوں۔

عیدالاضحیٰ اور عشق الٰہی

اس مقدس سلسلہ رسالت ونبوت کے سب سے پہلے فرد وجود جسمانی کے اعتبار سے

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور سب سے آخری فرد اکمل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ درمیانی افراد میں سے ایک اہم ترین شخصیت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے آپ سے پہلے نبوت ورسالت افرادی طور پر عطا کی جاتی تھی لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فضل وشرف خاندانی طرز پر عطاء فرمایا گیا چنانچہ نبوت و رسالت پھر آپ ہی کے خاندان اور آپ ہی کی ذریت میں رہی اور گویا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت مابعد کے سنگم اور مجمع البحرین میں آپ کے صاحبزادگان میں اگر ایک بیٹے حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی اولاد اور نسل میں انبیاء ورسل کی کثرت تعداد کا شرف حاصل ہوا تو دوسرے صاحبزادے یعنی آپ کے جلیل القدر فرزند اکبر حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فضل عطا کیا گیا کہ ان کی اولاد میں خاتم الانبیاء والرسل کو پیدا کیا گیا جو تمام انبیاء سابقین اور جملہ رسولوں کے کمالات علمی وعملی کے جامع تھے۔

عیدالاضحیٰ پر قربانی کی رسم عبادت کا تعلق حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے ایک نادرہ روزگار واقعہ سے ہے یوں تو سلسلہ عبادت میں جانی اور مالی قربانی دینے کی رسم عبادت دور آدم علیہ السلام ہی سے چلی آئی ہے اور آغاز نبوت سے ہی انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اس کے بتائے ہوئے طریقوں سے مال کی قربانی بھی دیا کرے اور جب جان کی قربانی کا موقع پیش آئے تو جان جیسی عزیز شئی بھی قربان کردے۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر سورہ مائدہ میں کیا گیا ہے کہ ان کے دو بیٹوں نے مالی قربانی پیش کی ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور جس کا جذبہ خراب تھا اس کی قبول نہ ہوئی یہ ابن آدم قابیل تھا جس کی قربانی قبول نہ ہوئی تھی اس نے حسد اور جلن میں آ کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا جس کی قربانی کو نیک نیتی اور خلوص کی وجہ سے شرف قبولیت حاصل ہو گیا تھا ہابیل نے حکم خداوندی پر ثابت قدم رہ کر جان دے دی اور اپنے بھائی پر حق تعالیٰ کے خوف وخشیت کی وجہ سے دست درازی نہ کی اور کہہ دیا کہ۔

''اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے میری طرف دست درازی کرے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے تیری طرف دست درازی کرنے والا نہیں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ (سورہ مائدہ)

یہ روئے زمین پر سب سے پہلا قتل تھا اور اطاعت خداوندی میں جان کی بھی سب سے پہلی قربانی تھی گویا نسل انسان میں سب سے پہلے شہید ہابیل ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جان کی قربانی تھی مگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیرانہ سالی میں عطا شدہ اکلوتے بیٹے کو جس طرح ایمائے خداوندی پر قربانی کے گھاٹ چڑھا دیا اس میں اور ہابیل کی جانی قربانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی جذبہ ایثار کا تاریخی شاہکار اور شان عبدیت کا ایک اچھوتا کارنامہ ہے کیونکہ اولاد انسان ہی کو نہیں بلکہ جانوروں جیسی بے عقل و شعور مخلوق کو بھی اپنی جان زیادہ عزیز ہوتی ہے اور اولاد کی جان بچانے کے لئے ماں باپ اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

حضرت خلیل اللہ اور حضرت ذبیح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کو تھوڑا سا تاریخی پس منظر پر ڈال کر دیکھئے تو اس کی عظمت و انفرادیت کی جھلک نظر آئے گی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازدواجی زندگی پر ایک صدی کے قریب طویل عرصہ گزر جاتا ہے اور ان کی زوجہ مطہرہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کوئی اولاد نہیں ہوتی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر کی صدی اسی بے اولادی میں پوری ہو رہی ہے تب آپ اپنے رب سے دعا کرتے ہیں۔ ''اے میرے رب بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا''

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ ان کی دعا سن لیتے ہیں اور فرماتے ہیں ''پھر خوش خبری دی ہم نے ان کو ایک تحمل والے لڑکے کی'' (سورہ صافات) چنانچہ سو سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری زوجہ مطہرہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے مابین حق تعالیٰ کی بعض تکوینی حکمتوں کے پیش نظر ان بن ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بحکم

خداوندی ملک شام سے ملک حجاز کی ''وادی غیر ذی زرع'' بے آب وگیاہ لق ودق میدان میں اپنی اہلیہ اور شیر خوار فرزند کولاتے ہیں اور محض اللہ کے بھروسہ پر تھوڑا سا توشہ حوالہ کر کے حضرت ہاجرہ اور کم سن دودھ پیتے لخت جگر کو اللہ کے بیت الحرم کے پاس چھوڑ جاتے ہیں حق تعالیٰ نے دعائے خلیل کے اس ثمرہ اور اپنی بشارت ''تحمل والے لڑکے'' کی برکت سے وہیں سامان زیست مہیا کر دیا اور خلیل اللہ کے جگر گوشہ کی شدت پیاس سے بیتابانہ ایڑیوں کی رگڑ سے پانی کا ایک ایسا چشمہ سطح زمین پر پیدا کر دیا جو غذائیت اور مائیت دونوں کا کام دے حضرت ابراہیم گاہ بہ گاہ آتے اور اپنے نور نظر کو دیکھ جاتے۔

حق تعالیٰ کے بشارتی لقب کا یہ ''غلام حلیم'' (تحمل والا بردبار لڑکا) شدہ شدہ جب اس قابل ہو گیا کہ اپنے باپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت توحید اور تبلیغ احکام خداوندی کی توقعات پوری کر سکے تو ۸ ذی الحجہ کو خواب میں یہ ایمائے خداوندی ہوا دیکھا کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں انبیاء کرام کے خواب محض خیالات نہیں بلکہ مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں پہلے روز تعبیر کی نوعیت ذہن میں نہ آئی اگلی شب پھر یہی خواب دیکھا تو بھی ذہن کو تردد رہا کہ اس کی تعبیر من وعن یونہی ہے یا اس کا کچھ اور مطلب ہے نویں تاریخ ذی الحجہ کو پھر بعینہ وہی خواب نظر آتا ہے تب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ امیدوں کے اس اکلوتے سہارے کی قربانی رب ابراہیم کو مطلوب ہے سوچا کہ بیٹے سے ذکر کر کے دیکھوں کہ اس کی کیا رائے ہے خوشی سے اپنی جان کی قربانی کے لئے آمادہ ہوتا ہے یا زبردستی یہ کام کرنا پڑے گا۔ بیٹے سے فرماتے ہیں۔

''اے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں پس دیکھ لو تم کیا رائے دیتے ہو''۔

تحمل والے بیٹے نے فوراً جواب دیا کہ اے باپ کر ڈالئے جو آپ کو حکم دیا جا رہا ہے مجھے آپ انشاءاللہ سہار کرنے والا پائیں گے۔ (سورہ صافات)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جگر پارہ کو قربان گاہ پر ساتھ لے گئے باپ بیٹا

خوشی خوشی ایک روایت کے مطابق کہ ''مروہ'' پر گئے بیٹے نے باپ کو مشورہ دیا کہ مجھے لٹا کر ذبح کریئے گا مبادا میرا چہرہ دیکھ کر محبت پدری جوش میں آ جائے۔

معتبر روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھ باندھ دیئے تاکہ جلد یہ کام انجام دیدیں ایسا نہ ہو کہ ذبح کی تکلیف سے طبعی طور پر مضطرب ہو کر تڑپنے لگیں اور تعمیل حکم خداوندی میں تاخیر ہو یہ منظر دیکھ کر زمین و آسمان اور ان کے بسنے والوں پر کیا گزری وہ کیفیت ناقابل بیان ہے۔ (قرآن کریم نے اس کا کوئی نقشہ نہیں کھینچا اور غالباً اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ہر شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر خود سوچ لے کہ اس جذبہ قربانی کا ارادہ بھی کرے گا تو دل پاش پاش ہو جائے گا اور جو لوگ اس منظر کو دیکھ لیں گے ان کی بے اختیار چیخیں نکل جائیں گی۔

قربانی سے جذبہ اطاعت و بندگی کا اظہار ہوتا ہے

قربانی ایک ایسی عبادت ہے جس کا تصور نوع انسانی کے آغاز سے ہی پایا جاتا ہے۔ خواہ مالی قربانی ہو یا جانی اس عبادت کا بنیادی تصور اپنے معبود کی رضا جوئی اور خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ جتنی قومیں مذہب پر یقین رکھتی ہیں خواہ وہ کسی صحیح مذہب کو مانتی ہوں یا کسی باطل مذہب پر ہوں ایسی تمام قوموں میں مالی قربانی پیش کرنے کا تصور آج بھی پایا جاتا ہے اور جہاں تک جانی قربانی دینے کا تعلق ہے وہ تو ہر وہ شخص اور ہر وہ قوم جو کسی بھی نظریہ پر یقین رکھتی ہو اس نظریہ کے لئے قربانی دیتے ہے لیکن بطور عبادت ان دونوں قوموں کی قربانیوں کا وجود صرف مذہب آشنا قوموں میں ہے قرآن کریم کے بیان کے مطابق دونوں قسم کی عبادت قربانی کا وجود حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی تھا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا واقعہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے باری تعالیٰ نے فرمایا۔

واتل علیھم ...... اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنایئے جبکہ ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی

قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔

یہ واقعہ حضرت آدم کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل ہے آٹھ تاریخ کی شب میں خواب دیکھا کہ میں اپنے اس بیٹے کو ذبح کرتا ہوں۔ اگلے دن اسی غور وفکر میں رہے کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے نویں شب میں پھر یہی خواب دیکھا تو یقین ہوگیا کہ حق تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ میں اسے ذبح کر کے قربان کر دوں۔ نو ذی الحجہ کو اس کی تدبیر سوچتے رہے حتی کہ دسویں شب کو پھر یہی خواب دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشورے کے طور پر اپنے خواب کا حضرت اسماعیل سے تذکرہ کیا حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رضا ورغبت کے ساتھ اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ کو جو کچھ حکم ہوا ہے اس کو بجالایئے مجھے انشاءاللہ آپ ثابت قدم پائیں گے۔

جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں اس حکم خداوندی کی بجا آوری کے لئے بخوشی تیار ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح کرنے کے لئے پیشانی کے بل لٹا لیا اور گلے پر چھری چلائی حق تعالیٰ نے چھری کی تاثیر کو روک دیا اور فوراً ندا آئی کہ۔

''اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا حق تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کے بدلہ ذبح کرنے کیلئے غیب سے ایک دنبہ عطا فرمایا کہ بیٹے کے بدلہ میں اس کو ذبح کر دو یہ تمہارا صرف امتحان تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس قربانی کی عظمت ومقبولیت کے اظہار کے طور پر قرآن کریم میں تفصیل سے اس واقعہ کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلیم ورضا اور فدا کاری وجاں نثاری کی یہی وہ سنت ہے جس کی یادگار اور اسی طرح ماہ ذی الحجہ کے مخصوص ایام سے متعلقہ عبادات کی رسمیں حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں قائم رہیں اور قربانی کی اس عبادت کو اس کی اصل شکل میں بالآخر بنی اسماعیل کے فرد وحید اور در یتیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک اپنی امت کے لئے بھی واجب العمل قرار دیا اور خود بھی مدینہ طیبہ میں دس سالہ قیام کے دوران آپ نے ہر سال قربانی کی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ

میں دس سال قیام کیا ہے آپ قربانی کیا کرتے تھے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ قربانی کا تعلق ایک ضمنی عمل کے طور پر صرف عبادت حج سے ہی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت ایک عبادت کی ہے نیز یہ کہ اس عبادت کا مقصد محض صدقہ کرنا اور مال خرچ کر دینا ہی نہیں ہے بلکہ قربانی کی عبادت جانوروں کی قربانی کی شکل میں مطلوب ہے۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یوم نحر میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل جانوروں کی قربانی کرنا ہے پس جس طرح مختلف مالی و بدنی عبادتوں کی شکل و صورت ہر ایک کے مناسب الگ الگ ہے اسی طرح قربانی اور اضحیہ کی غرض و غایت اور اس کی روح بھی جداگانہ ہے جو قربانی کی صورت میں ہی موجود ہوسکتی ہے پھر ہر عبادت کا ایک خصوصی اثر ہوتا ہے جو اس عبادت کو ادا کرنے سے ہی انسان کے قلب و روح میں پیدا ہوتا ہے اسی طرح قربانی کی عبادت کا بھی ایک خاص اثر ہے جو قربانی ادا کرنے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے پھر تمام عبادتوں کی ادائیگی کے لئے آمادہ کرنے والا اگرچہ مشترک طور پر جذبہ اطاعت و بندگی ہے لیکن ان احساسات کی نوعیتیں مختلف ہیں اس لئے ان مختلف جذبات کا ظہور بھی عبادتوں کی جداگانہ صورتوں ہی میں ہوسکتا ہے۔

عبادات نماز میں انسان اپنے راحت و آرام وقت اور تکبر و خود بینی کو چھوڑ کر خدا کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے اور اپنے اعضائے جسم میں سب سے زیادہ باعزت چیز سر کو زمین پر رکھ دیتا ہے روزہ رکھ کر اپنی طبعی خواہشات و ضروریات کو اللہ کے احکام کی بجا آوری اور اس کی رضا جوئی کے لئے قربان کر دیتا ہے زکوٰۃ وغیرہ دے کر مال جیسی محبوب اور پسندیدہ چیز کو اطاعت گذاری کے جذبہ میں اپنے ملک سے نکال دیتا ہے۔ عبادت حج میں اپنے راحت و سکون اور آرائش و زیبائش کے جذبہ کو بھینٹ چڑھاتا ہے اسی طرح قربانی کی عبادت میں انسان اپنی جان کے عوض ایک جاندار کو قربان کر کے جانی قربانی پیش کرتا ہے جس طرح اسی مخصوص جذبہ اور احساس قلبی کا اظہار زکوٰۃ عمل سے نہیں ہوسکتا جو عبادت صلوٰۃ سے وابستہ ہے اور ادائیگی زکوٰۃ کے خصوصی جذبہ کا مظہر نماز نہیں بن سکتی ٹھیک اسی طرح جانی و مالی قربانی کے مجموعی اور

مخصوص قلبی جذبات واحساسات کا مظہر تنہا مالی صدقہ نہیں ہوسکتا اور نہ قلب پر وہ مجموعی اثر صرف مالی صدقہ کرنے سے مرتب ہوسکتا ہے، جس کا تعلق اس مرکب عبادت سے ہے۔

بہر حال اسلام کی ان تمام بنیادی اور اہم ترین عبادات کی حقیقت نہ تو صرف ان کی شکل وصورت ہے اور نہ فقط پنہاں احساسات اور قلبی جذبہ اگر کوئی شخص ان اعمال کی صرف صورت بنالے اور ان کے ساتھ روح ایمانی اور جذبہ اطاعت و بندگی نہ ہو تو یہ سارے عمل بے روح ڈھانچہ اور منافقت ہیں اسی طرح اگر دل میں یہ جذبہ تو ہو مگر اس جذبہ کے اظہار کے لئے جو شکلیں تجویز کی گئی ہیں وہ نہ ہوں تو مقرر کردہ جسمانی اعمال کے بغیر تنہا جذبہ اطاعت و بندگی بے وزن بلکہ آئینی حیثیت سے غیر معتبر ہے مثلاً نماز نہ پڑھنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں خدا کے حضور عاجزی و بندگی کرنے کا جذبہ نہیں ہے روزہ نہ رکھنا اس کی نشانی ہے کہ یہ شخص خدائے تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کے لئے اپنی خواہشات کو کچھ دیر کے لئے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

زکوٰۃ اگر کوئی شخص نہیں دیتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اللہ کی رضا اور خوشنودی سے زیادہ عزیز اپنا مال ہے اور قدرت واستطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام خداوندی کو اس کی نظر میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے پھر ان سب عبادات کو صحیح جذبہ کے ساتھ ادا کرنے سے جیسے عالم آخرت کے بہتر نتائج حاصل ہوتے ہیں اسی طرح دنیوی اعتبار سے بھی ان کے شخصی اجتماعی نوعیت کے بہت سے فوائد ہیں اور ان تمام عبادتوں کا اور حق تعالیٰ کے احکام کی پیروی کا اصل مقصد اور بنیادی غرض وغایت خدا کے حضور اپنی محکومیت و بندگی کا اظہار کر کے اخروی ثمرات و نتائج کو حاصل کرنا ہے لیکن ان کو ادا کرنے سے قدرتی طور پر دنیوی فوائد و اثرات بھی ضرور مرتب ہوتے ہیں لہٰذا قربانی کی قدیم ترین عبادت میں سنت ابراہیمی کا احیا بھی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اقامت اور آپ کے حکم کی بجا آوری بھی۔

حضرت زید بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ ان قربانیوں کی اصل کیا ہے آپ نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے صحابہ نے

دریافت کیا ہمارے لئے اس میں کیا اجر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بال کے مقابلہ میں ایک نیکی عرض کیا، اور اون، آپ نے فرمایا اون کے ہر رویں کے مقابلہ میں بھی ایک نیکی۔

غرضیکہ قربانی کی عبادت اپنی اصل نوعیت کے لحاظ سے جان کی قربانی ہے اور ظاہری شکل کے اعتبار سے مال کی قربانی ہے جو خدائے ذوالجلال کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کی رضا جوئی کے لئے ادا کی جاتی ہے پس عیدالاضحیٰ کی مخصوص عبادت قربانی سے ایک طرف مسلمان کے جذبہ اطاعت و بندگی کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس عمل سے انسان کو حقیقی اور اہم اسلامی مقاصد کے لئے اپنی متاع محبوب مال اور جان عزیز کی قربانی دینے کا سبق حاصل ہوتا ہے۔

مشکلات کا حل خلوص اور اسلامی اخوت

دین اسلام نے اجتماعی زندگی کو امن واخوت کے ساتھ بسر کرنے کے لئے دنیا میں پہلی بار یہ معاشرتی نظام پیش کیا کہ امت کو معاملات کی انجام دہی میں مکمل طور پر شریک کیا جائے تا کہ ان میں باہمی قربت یگانگت اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو اور اس یقین سے سرشار مطمئن اور متحد رہیں کہ باہمی مشاورت کے نتیجہ میں جو اچھے یا برے واقعات ظہور پذیر ہوئے اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں اور ان شاء اللہ مل جل کر ایک نہ ایک دن ترقی وخوشحالی کی منزل حاصل ہو جائے گی۔ جب رب جلیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ''ان سے معاملات میں مشاورت کیجئے'' کی ہدایت فرمائی تو سوال یہ ہے کہ بھلا خالق کائنات کی زبان یعنی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں سے مشورہ کی کیا ضرورت تھی؟ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ اہل ایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو کامل اور واحد نمونہ سمجھتے ہوئے پیروی کریں۔ سورہ شوریٰ میں مزید ارشاد ہوا ''اہل ایمان اپنے معاملات باہمی مشاورت سے طے کرتے ہیں'' یہ نہیں کہا گیا کہ کچھ لوگ خود امت سے مشورہ کرلیں اور پھر اس کو تسلیم کریں یا نہ کریں بلکہ فرمان یہ صادر ہوا کہ باہمی مشاورت کے مطابق تمام امور انجام دیئے جائیں تا کہ امت احساس محرومی کا شکار ہو کر افتراق وانتشار میں مبتلا نہ ہو مسند احمد میں حضرت عمر فاروق اعظمؓ سے منقول ہے کہ ''جس شخص نے مسلمانوں کی رائے کے بغیر کسی امیر کی بیعت کی اس کی بیعت ہرگز جائز نہیں حضرت علیؓ سے بھی ایک سوال کے جواب میں منقول ہے کہ میری بیعت

مسلمانوں کی مرضی سے ہونی چاہئے غرض اس کو شورائی یا جمہوری نظام کہیں بنیاد ایک ہے یعنی عوام کی رائے وہی جو رب جلیل کا فرمان ہے۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اسلام کے شورائی یا جمہوری نظام میں ٹکراؤ تشدد یا تضاد نظر آتا ہے تو یہ ایسی ہی بات ہوگی کہ غیر مسلم دنیا ہم مسلمانوں کے اعمال دیکھ کر کہے کہ اگر یہی تمہارا اسلام ہے جہاں جھوٹ، منافقت، فریب اور مسلمان مسلمان کو قتل کرتا ہے تو یہ تمہارا اسلام (نعوذ باللہ) ہرگز اچھا نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہ پیروکاروں کے غلط رویئے ہیں جو نظام میں خرابیاں پیدا کرتے ہیں سورہ آل عمران کی ایک آیت کریمہ میں رب جلیل نے دوٹوک انداز میں بیان فرمایا کہ وہ کون سا سرچشمہ تھا کیا نظام اور عمل تھا جس کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کر کے لاکھوں کو مسلمان کیا، ان کو اتحاد واخوت کی لڑی سے منسلک کر دیا اور امن وخوشحالی اور عروج سے ہمکنار کیا، ارشاد ہوا "اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت دل ہوتے تو یہ سب آپؐ کے پاس سے بھاگ جاتے" گویا یہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی تھی جس کے سبب لوگوں کی بڑی تعداد آپؐ پر ایمان لائی اور اتحاد واخوت کے رشتہ میں منسلک ہوگئی اور اسی کا فیضان ہے کہ آج کرہ ارض پر شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارب پچیس کروڑ پروانے اور پورے جنوب میں انڈونیشیا سے مراکش تک مسلمانوں ہی مسلمان کی مملکتیں نظر آرہی ہیں۔ رب جلیل نے غیر مبہم الفاظ میں یہ بھی فرمایا کہ اگر ان کے محبوب بھی سخت مزاجی سے کام لیتے تو وہ تن تنہا رہ جاتے اور آج جو فیضان جاری ہے اس کا وجود بھی نہ ہوتا۔ اسی فیضان وسنت سے شرافت ونیکی کا غالب ماحول بنا دیا تھا۔

آیئے جائزہ لیں کہ کیا ہم لوگ نرم مزاج ہیں؟ ظاہر ہے نہیں ہیں تو کیا ہم اپنی سخت مزاجی کے سبب ایک دوسرے سے ذہنی وقلبی طور پر میلوں دور نکل نہیں گئے ہیں اور گھر ہو یا محلّہ شہر ہو یا صوبہ کاروبار ہو یا سیاست غرض ہر جگہ افتراق وانتشار کا شکار ہیں۔

اس سرچشمہ ہدایت سے معلوم ہوا کہ باہمی مسائل کے حل کے لئے تشدد کی بجائے قوانین کا احترام ضروری ہے۔ سورہ مائدہ میں دشمن قوم تک سے قانون کے احترام پر حکم صادر ہوا ہے ارشاد ہوا "تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس میں مبتلا نہ کردے کہ تم ان کے ساتھ ناانصافی کرنے لگو" دوسری

جانب ممکن ہے بعض اوقات قانون کی نظر یں جرم وظلم تک نہ پہنچیں مگر اسلام کا فرمان اور تجربات کا نچوڑ ہے کہ اس صورت میں بھی قانون کو ہاتھ میں نہ لیا جائے کیونکہ صدیوں کی تاریخ شاہد ہے قانون کو ہاتھ میں لینے کے سبب چند افراد کے بجائے پورا معاشرہ نفرت اشتعال انتقام اور خونریزی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے سورہ حم السجدہ میں مزید فرمایا بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوا کرتی برائی کا جواب بھلائی سے دو تو جس شخص میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا قلبی دوست ہو جائے گا۔

نرم مزاجی کی اسلامی صفت کا صرف یہی مفہوم نہیں ہے کہ محض میٹھے بول بلکہ دکھ سکھ میں برابر کا شریک رہا جائے۔ یہی اسلام کا بے مثال سوشل سیکورٹی پروگرام ہے اس کی زریں مثال مدنی دور میں انصار نے پیش کی تھی۔ انہوں نے مہاجرین کو خوش آمدید کہا اور اخوت کے جذبہ کے تحت اپنے اثاثوں کا نصف حصہ ان کے سپرد کر دیا اگر اہل مدینہ بخل سے کام لیتے تو مہاجرین میں اپنی ناداری کی بناء پر دشمن کی یلغار روکنے کی سکت نہ ہوتی، اخوت کی اعلیٰ مثال پیش کر کے انصار کو فوری طور پر کچھ عرصہ اپنی املاک میں کمی اور مشکلات کا سامنا ہوا ہو گا مگر بہت جلد ان کے عمل سے معاشرہ دکھ سکھ میں برابر کا شریک ہو گیا۔ اس کے سبب ایک متحد اور طاقتور امت واحدہ دنیا کے اسٹیج پر نمودار ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ مسلمان دنیا پر چھا گئے علاوہ ازیں یہ باہمی کفالت کا عمل ان کے لئے امن و بھائی چارہ کا موثر ترین اور پائدار محافظ ثابت ہوا مشکل یہ ہے کہ ہمارے ارباب ثروت یہ نکتہ سمجھ ہی نہیں پاتے خود بھی ٹینشن میں رہتے ہیں اور ملک وقوم کو بھی خلجان میں مبتلا کر رکھا ہے۔

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے شورائی نظام اپناتے وقت مذکورہ آیت مبارکہ میں بیان کردہ نرم مزاجی، عفوودرگذر افہام وتفہیم، قانون کا احترام اور دکھ سکھ میں برابر کا شریک رہنے کے رویوں کو ملحوظ خاطر رکھا تو نہ صرف ان کا دور عدل وامن ترقی وخوشحالی اور اتحاد واخوت سے ہم کنار ہوا بلکہ دنیا میں واحد سپر پاور کی حیثیت اختیار کر لی۔ علامہ اقبال نے درست فرمایا۔

یہی فطرت ہے یہی رمز مسلمانی　　　اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی